© rasailojaraid.com

جناب مولانا غلام محمد صاحب بی۔ اے۔ کراچی

تعلیمِ بالغاں اور اسلام

تعلیم بالغاں کے مسئلہ پر چند برس پہلے کراچی میں ایک سیمنار (مجلس مذاکرہ) منعقد ہوا تھا جس میں محکمۂ تعلیمات کے بعض ماہرین کے علاوہ تعلیم کے مسائل سے دلچسپی رکھنے والے اور افراد کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ راقم الحروف کو "مسئلہ تعلیم بالغاں اور اسلام" کے عنوان پر اظہار خیال کرنے اور کچھ تجاویز اس سلسلہ میں پیش کرنے کی دعوت ملی تھی، اسکی تعمیل و تکمیل میں، یہ مضمون پیش کیا گیا تھا۔ ہمارے ملک میں تعلیم بالغاں کا مسئلہ خاصہ اہم ہے مگر مجلس مذاکرہ کی کارروائی افسوس کہ مذاکرہ ہی پر ختم ہو کر رہ گئی، خیال آیا کہ اسکو ماہنامہ الحق کے ذریعہ وقف عام کر دیا جاتے شاید کوئی معروضہ کسی کے کام آجائے۔ والسلام۔ (غلام محمد)

★

اسلام کی بنیاد جب قرآن پر ٹھہری تو اب یہ ثابت کرنا کیا ضروری رہا کہ اسلام ہی تعلیم و تعلم کا ضامن ہے۔ اور جب اسلام کا مقصد انسانیت کی کامل اصلاح اور مکمل فلاح ہے تو قرآنی تعلیم کے "غیر مقصدی" ہونے کا وسوسہ بھی کیوں ذہن میں آنے پائے۔ البتہ دیکھنا یہ ہے کہ اس کا طریق تعلیم و تربیت کیا ہے۔؟

یہ تو مسلّم ہے کہ داعی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام جس قوم میں مبعوث ہوئے وہ اعتقاد و اخلاق کی بدترین نشان تھی اور اسکی بڑی وجہ اسکی جہالت ہی تھی۔ ایسی قوم کو ۲۳ برس کی قلیل مدت میں نہ صرف اعتقادی اور بلند کرداری کا نمونہ ہی نہیں بلکہ "معلم" بنا دینا بلاشبہ پیغمبر اسلام کا ایک معجزانہ کارنامہ تھا۔ لیکن اس انقلاب رحمت کے کچھ اصول بھی تھے جو ملحوظ رکھے گئے اور بعض طریقے بھی تھے جو برتے گئے۔ نبی کریمؐ کی اس سنت میں ہمارے لئے ہدایت کے وہ سامان موجود ہیں جن سے تعلیم بالغاں کی مہم بآسانی سر ہو سکتی ہے۔

ذرا غور تو فرمائیے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مخاطب اوّل طبقہ کون تھا۔؟ کیا وہ بچے تھے؟

© rasailojaraid.com

ہرگز نہیں بلکہ وہ وہی لوگ تھے جو "بالغین" کی تعریف میں آتے ہیں۔ انہیں بالغین کی ذہنی وفکری اصلاح اور تزکیہ نفس کے ذریعہ کم سے کم وقت میں بہتر سے بہتر نتائج برآمد ہوسکے تھے۔ اور جو پست تر تھے وہ دیکھتے ہی دیکھتے ساری دنیا میں برتر ہو گئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطب اول طبقہ میں خواندہ بھی تھے اور ناخواندہ بھی، کور دماغ بھی تھے۔ اور کج فہم بھی، آمادہ اصلاح بھی تھے اور ضدی ہٹ دھرمی بھی ان کی اصلاح کا جو نہج اس وقت اختیار کیا گیا اور مدت تک ۔۔ کامیابی کے ساتھ رائج رہا وہی نہج آج بھی جزوی تبدیلی کے ساتھ ہمارے لئے مفید ثابت ہوسکتا ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ قیام مکہ ہی کے زمانہ میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے مصعب بن عمیرؓ اور ابن ام مکتومؓ کو بیعت عقبی اولی کے بعد ہی اس مشن کے ساتھ مدینہ بھیجا کہ وہ لوگوں میں قرآن کی تعلیم عام کریں پھر ہجرت کے بعد اس میں اور زیادہ ترقی ہوئی اور مسجد نبوی کی سجدہ گاہ اصحاب صفہ کے فیض سے ایک مستقل درسگاہ بن گئی۔ یہاں درس کا طریقہ یہ تھا کہ ایک شخص قرآن پاک پڑھتا اور سب اس کو سنتے اور سمجھتے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ ہر انصاری کا گھر ایک مکتب بنا ہوا تھا۔ جو مہاجر باہر سے آتے اور انصار کے سپرد کئے جاتے تو مہمانداری کا سب سے بڑا فریضہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی تعلیم ہی تھی چنانچہ وفد عبد القیس جب واپس چلا ہے تو اس کے معترفانہ الفاظ یہ تھے:

ان الانصار یعلموننا کتاب ربنا	انصار ہم کو ہمارے خدا کی کتاب اور ہمارے
وسنۃ نبینا۔	پیغمبر کی سنت سکھاتے ہیں۔

تعلیم بالغاں کا یہ طریقہ اس وقت تک رہا جب تک مسلمان اپنی کوئی حکومت وسلطنت نہ رکھتے تھے۔ پھر جب وہ حاکم بن گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو امراء و عمال مختلف علاقوں میں مقرر فرمائے ان کا سب سے مقدم فریضہ کتاب وسنت کی تعلیم ہی قرار پایا۔ مثلاً آپ نے معاذ ابن جبلؓ کو یمن کا عامل مقرر فرمایا تو اس تقرر کا مقصد یہ قرار دیا کہ:

لیعلم الناس القرآن	تاکہ وہ لوگوں کو قرآن اور شرائع اسلام
وشرائع الاسلام۔	کی تعلیم دیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا سے پردہ پوشی کے بعد خلفائے راشدین نے اس مقصد کو اور زیادہ فروغ دیا خصوصاً حضرت عمرؓ نے مختلف صحابہ کرام کو جو قرآن، حدیث یا فقہ کے ماہر تھے اس تعلیمی مقصد کے تحت مملکت کے طول وعرض میں پھیلا دیا، اسکی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔ عبادہ بن صامتؓ حمص پہنچے ابو الدرداءؓ دمشق میں ٹھہرے۔ معاذ ابن جبلؓ فلسطین کے

© rasailojaraid.com

مقیم بن گئے۔ عمران بن حصینؓ بصرہ میں جم گئے۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے مدائن کو عزت بخشی حذیفہ بن اسحاقؓ مصر کے لئے باعث رونق بن گئے۔ اور خاص مسجد نبویؐ میں جابر بن عبداللہ کو خدمتِ تعلیمی کا شرف ملا۔

خلافتِ راشدہ کے دور میں علم کا سیکھنا اور سکھانا جزو مذہب اور عین عبادت تھا۔ اسی لئے اس پر ہدیہ لینا ممنوع تھا۔ پھر چونکہ اس وقت "علم بلا عمل کا تصور" ہی ناپید تھا۔ اس لئے علم کی اشاعت اور اخلاق کی تربیت ہاتھ میں ہاتھ دئے چل رہی تھی، البتہ نہ تو تعلیم کا کوئی نصاب مقرر تھا، نہ مدت تعلیم کا کوئی تعین۔ ہر شخص کو آزادی تھی کہ اپنے رجحانِ طبع کے مطابق جس چشمۂ فیض سے چاہے سیرابی حاصل کرے۔ مقصد سب کا متعین اور ایک تھا۔

اس زمانۂ خیر کے بعد بنوامیہ کے دور میں بھی خواہ سیاسی اعتبار سے کچھ خرابی آگئی ہو۔ مگر تعلیمی جدوجہد برابر ترقی کرتی رہی۔ اسی زمانہ میں مختلف علوم سینوں سے سفینوں میں منتقل ہونے لگے۔ اور یونانی علوم وفنون نے بھی عربی قالب اختیار کیا۔ اس دور کے خلیفہ راشد حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ نے تو اشاعتِ تعلیم پر خاص توجہ فرمائی۔ معلمین کو فکرِ معاش سے مستغنی کرکے اور طلبہ کو وظائف دیکر افادہ اور استفادہ کا شوق عام کردیا۔

اس سارے زمانہ میں تعلیم کا طریقہ یہ تھا کہ ایک استاد کھڑا ہو کر لیکچر دیتا اور طلبہ اس کو بغور سنتے اور اس کے افادات قلمبند کرتے جاتے تھے۔ عربی میں یہ طریقہ "املا" کہلاتا ہے۔ اور تعلیم بالغاں کے لئے اس سے بہتر شاید دوسرا طریقہ نہ مل سکے۔ علامہ ذہبی نے طبقات میں لکھا ہے کہ اس زمانے کے بعض حلقۂ درس ایسے ہوتے تھے جس میں دس ہزار سے زاید دواتیں رکھی جاتی تھیں اور لوگ احادیث نبوی لکھتے تھے۔"

اس دور کے بعد عہد عباسیہ میں ۳۰۰ھ سے باضابطہ مدارس کا آغاز ہوا جسکی تفصیل ہمارے مقصد کے لئے غیر ضروری ہے۔ جو اجمالی خاکہ قرن اول سے دور بنو امیہ تک کا پیش کیا گیا ہے۔ اس پر غائر نظر ڈال کر ہم اپنے ملک میں تعلیم بالغاں کے طریقے بہ آسانی مدون کرسکتے اور کامیابی کے یقین کے ساتھ ان پر عمل پیرا ہو سکتے ہیں۔

راقم کے ذہن میں اس کا ایک اجمالی خاکہ یہ ہے:

۱۔ ہماری آبادی کا بہت بڑا حصہ ناخواندہ ہے۔ ان کے لئے "املا" کا طریقہ ہی نہایت موثر ہوسکتا ہے۔ اور اس کے لئے ضرورت ہے کہ ماہرانہ دینی تعلیم رکھنے والے افراد کو، ایک تنظیم کے

© rasailojaraid.com

تحت ساری مملکت پاکستان میں پھیلا دیا جائے جو دین کی بنیاد کو لوگوں کے ذہن میں راسخ کر دیں تاکہ اس بنیاد پر ان کی ہمہ جہتی ترقی نشو و نما پا سکے۔

علماء کی یہ جدوجہد مساجد تک محدود نہ رہے۔ کیوں کہ ضرورت تو ان کو لاکھوں کروڑوں افراد میں شعور پیدا کرنے کی ہے جن کے قدم مسجد کی طرف بڑھتے ہوئے ٹھٹک جاتے ہیں۔

۲۔ ایسے اہل علم بلامزد خدمت انجام دے سکیں تو کیا ہی کہنا ہے۔ مگر حالات حاضرہ کے پیش نظر ایسے ایثار پیشہ افراد چند ہی نکل آئیں تو حیرت کی بات ہوگی۔ اس لئے ان کے معاشی بندوبست کے دو طریقے ہو سکتے ہیں۔ یا تو حکومت وقت ان کو بقدر ضرورت وظائف مقرر کر کے ان کی کارکردگی پر نظر رکھے، یا پھر غیر حکومتی مجلس تنظیمی ان کی معاشی کفالت کی ضامن بن جائے، اور چندوں اور عطایا کے ذریعہ مالیہ کی فراہمی کے سامان ہوں۔

۳۔ مذکورہ ہمہ وقتی معلمین کے سوا ہر ذی علم مسلمان اپنے وقت کا کچھ حصہ اس کام کے لئے نکالے اور ماہانہ یا ہفتہ وار کچھ وقت خاص کر تعلیم بالغاں کی خدمت بہ نیت عبادت انجام دے۔

۴۔ مملکت کے شہروں اور قصبات کے ہر محلہ میں روزانہ کم از کم تین آیات قرآنی کی تفہیم اور چند ضروری مسائل کی تلقین کا اہتمام کیا جائے۔

۵۔ ہر مسلمان خواہ جہاں کہیں اور جس حیثیت میں بھی ہو اپنے مقصد زندگی اور اپنی حیثیت اصلی کو نہ بھولے اور بحیثیت مسلمان اپنی ذمہ داریوں کا اظہار گفتگو میں کرتا رہے[لہ] تاکہ اس سے خود اسکی اور اس کے مخاطب کے ایمان کی تازگی برقرار رہے۔ احیاء دین کا یہ نہایت آسان اور موثر طریقہ ہوگا۔

۶۔ اب تک جو مشورے پیش کئے گئے وہ عام ناخواندہ یا کم علم افراد میں کام کرنے سے متعلق تھے۔ ہمارے اندر ایک خاصہ طبقہ پڑھے لکھے بگڑے دماغوں کا بھی ہے۔ اور ان کی اصلاح بھی تعلیم بالغان کے تحت آتی ہے اور فکر و نظر کی درستی کے بعد یہی طبقہ مبلغین اسلام کا بہترین گروہ بن سکتا ہے۔ اس طبقہ میں کج فہمی چونکہ فلسفہ کلام یا مختلف "ازمس" کی راہ سے آئی ہے۔ اسلئے

لہ آیت پاک: ومن احسن قولاً ممن دعا الی اللہ وعمل صالحاً و قال اننی من المسلمین (فصلت) کے آخری جزو "وقال اننی من المسلمین" کے نفسیاتی رمز کو پوری طرح محسوس نہیں کیا گیا ورنہ اس استحضار اور اظہار کی تلقین میں مسلم معاشرہ کی اصلاح کی موثر ترین تدبیر موجود ہے۔۔۔ کاش! اسکو برت کے دیکھا جائے!

© rasailojaraid.com

ان کی اصلاح کی خاطر ایسے ادبی حلقے (LITERARY CIRCLES) قائم کئے جائیں جہاں ان کے نقطۂ نظر کو سن کر ان کا غیر مناظرانہ اور تشفی بخش جواب دیا جاسکے۔ اور ان کے سامنے اسلام کی غایت اور اس کے مطالبات کو ان کے اندازِ فہم (METHOD OF APPROACH) کی رعایت کے ساتھ پیش کیا جاسکے۔

اس کام کیلئے ایسی بالغ نظر ہستیاں درکار ہوں گی جن کی نگاہ میں دین کا عمق بھی ہو اور تقاضائے وقت کو سمجھ کر حقائق دینی کو قابل قبول انداز میں پیش کرنے کی صلاحیت بھی ہو۔ یہ کام یونیورسٹیوں اور اعلیٰ دینی مدارس کے زیر سرپرستی توسیعی تقاریر (EXTENSION LECTURES) کی صورت میں بخوبی انجام پاسکتا ہے۔ ع

این قدر گفتیم باقی بہر کن

سقوطِ بیت المقدس ——— ایک دینی مسئلہ میں غفلت کا خمیازہ

صلیبی لڑائیوں کے بعد مسلمان حکمرانوں نے جب مسجد اقصیٰ اور فلسطین کے تحفظ کی ضرورت محسوس کی تو انہوں نے حرم مسجد اقصیٰ کی فصیل کے باہر چاروں طرف دور دور تک زمین دینی مدارس اور معاہد پر وقف کردی تاکہ حرم قدس کا یہ مقدس خطہ خرید و فروخت اور اجانب کے تصرفات اور دسترس سے محفوظ رہے۔ اور اسی طرح ان مسلمان حکام نے فلسطین کی اکثر بستیوں کو بھی اسلامی امور کے لئے وقف کردیا، یہاں تک کہ علاقہ فلسطین کا ۱/۴ حصہ مدارس و مساجد کیلئے وقف ہوگیا مگر بعد میں مسلمانوں کی نرمی کمزوری اور کوتاہ نظری نے ان وقف املاک کی حرمت برقرار نہ رکھی اور ان اوقاف کو وقف عینی سے وقف عشری میں منتقل کردیا گیا۔ یعنی ان زمینوں کی خرید و فروخت جائز قرار دی گئی۔ اور ان کا عشر وقف مد میں جمع ہوتا تھا۔ جس کے نتیجہ میں خرید و فروخت کے ذریعہ یہ زمینیں یہود کے ہاتھوں منتقل ہوتی چلی گئیں۔ مسلمانوں کی کمزوری اور دینی احکام میں تساہل اور غفلت نے مسلمانوں کے ایک مقدس خطہ کو دشمنوں کے حوالہ کردیا جبکہ ان کے آباء نے محض اسکے تحفظ و بقاء کے لئے ان زمینوں کو وقف کردیا تھا۔ اور یہ انجام تھا ایک دینی مسئلہ میں تہاون اور تحریف کا۔

(ترجمہ از حضارۃ الاسلام دمشق۔ ربیع الاوّل ۱۳۸۸ھ)